سورۂ مؤمنون کی ابتدائی دس آیات کی مستند تفسیر وتوضیح
اور اسلامی تعلیمات کا بہترین مرقع

کامیاب مؤمنین کی سات صفات

محمد قاسم اوجھاری

ناشر
اسلامی مرکز تحقیق واشاعت اوجھاری ضلع امروہہ، یوپی، انڈیا

تفصیلات

نام کتاب: کامیاب مؤمنین کی سات صفات
مرتب: محمد قاسم اوجھاری
صفحات: ۳۴
سن اشاعت: مارچ ۲۰۲۱ء، شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ
ناشر: اسلامی مرکز تحقیق واشاعت اوجھاری ضلع امروہہ، یوپی، انڈیا

Published by

Islamic Research & Publications Center

Ujhari, Tahsil Hasanpur, Dist. Amroha, UP, India, 244242

Email: qasimujhari@gmail.com

Phone | WhatsApp: 9917778135

8630840535/9457007920

فہرست

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، امابعد!

قرآن مقدس خدائے وحدہ لاشریک لہ کا وہ بنیادی پیغام اور اساسی دستور ہے جس کو جملہ کتب سماویہ اور تمام الہامی کتابوں اور صحیفوں میں امتیازی تفوق اور برتری حاصل ہے، قرآن کریم برکت وسعادت، روح خداوندی، معدن حیات اور سرچشمۂ زندگی ہے، ارشاد نبوی ہے: **فَضْلُ کَلَامِ اللّٰہِ عَلی سَائِرِ الْکِلَامِ کَفَضْلِ اللّٰہِ عَلیٰ خَلْقِہ۔** (ترمذی: ۲۹۲۶) کلام الٰہی کو دیگر تمام کلاموں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح اللہ کو اپنی مخلوق پر برتری حاصل ہے۔ قرآن کریم ایسا صحیفۂ آسمانی ہے کہ جس میں کسی بھی طرح کے شک وشبہ اور تردد وخلجان کا گذر تک نہیں ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: **ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ** (سورۂ بقرہ ۲) یہ کتاب ہر قسم کے شکوک وشبہات سے بالاتر ہے یہ کتاب ڈرنے والوں کے لئے سراپا ہدایت ہے۔ **ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الكِتابَ بِالحَقِّ** (سورۂ بقرہ ۱۷۶) اللہ نے قرآن کو حق اور سچائی کے ساتھ اتارا ہے۔ **وَبِالْحَقِّ أَنزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ** (سورۂ اسرائیل ۱۰۵) ہم نے قرآن کو سچائی کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور وہ سچائی کے ساتھ اترا ہے۔

قرآن کریم کی شان تقدس کے چند شواہد

کلام الٰہی کی شان تقدس پر یہ بھی شاید ہے کہ احکم الحاکمین کے کلام کو لانے والا فرشتہ افضل الملائکہ ہے۔ فرمان باری تعالی ہے: **عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى** (سورۂ نجم ۵) اس (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کوسکھایا ہے سخت قوت والے نے، یعنی وحی بھیجنے والا تو اللہ تعالی ہے لیکن جس کے ذریعہ وحی نازل ہوئی اور جو بظاہر آپؐ کوسکھاتا ہے وہ بہت زیادہ قوتوں والا، بڑا زورآور حسین و وجیہ فرشتہ ہے جسے جبرائیل امین کہتے ہیں۔ اور جس پر نازل ہوا وہ ذات خلاصۂ کائنات ہے، ارشاد خداوندی ہے: **نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتابَ بِالْحَقِّ** (سورۂ آل عمران ۳) اللہ نے آپؐ پر قرآن کریم کوسچائی کے ساتھ اتارا ہے، نیز ارشاد ہے: **هُوَ الَّذِىٓ اَنْزَلَ عَلَيْکَ الْكِتٰبَ** (سورۂ آل عمران ۷) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے آپ پر قرآن کریم کو نازل فرمایا، اور جس مہینے میں قرآن کا نزول ہوا وہ تمام مہینوں کا سردار ہے یعنی رمضان المبارک کا مہینہ۔ ارشاد باری تعالی ہے: **شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰن** (سورۂ بقرہ ۱۸۵) رمضان کا وہ مبارک مہینہ جس میں قرآن کریم نازل ہوا، اور جس رات میں یہ کلام اترا وہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے، ارشاد خداوندی ہے: **إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَمَا أَدْرَاکَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ، لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ۔** (سورۂ قدر 1-2) ہم نے اس کلام کو (قرآن کریم) کو شب قدر میں اتارا ہے اور شب قدر ہزار مہینوں سے افضل اور بہتر ہے، قرآن کریم کے لوح محفوظ سے حضرت جبرائیل کے واسطے سے بحفاظت پیغمبر علیہ السلام کے قلب اطہر پر اتارے جانے کا تعارف کراتے ہوئے باری تعالی کا ارشاد ہے: **وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ، نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الأَمِينُ، عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ، بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ۔** (سورۂ شعراء 192-195) اور قران کریم اللہ رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے اس کو امانت دار فرشتہ صاف عربی زبان میں آپ

کے قلب مبارک پر لے کر آیا ہے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی منجملہ ڈرانے والوں میں ہوں۔

تحمل قرآن سے زمین وآسمان کا انکار

قرآن کریم کی عظمت شان کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے سب سے پہلے اس کلام کو آسمانوں پر پیش کیا، پھر زمین کو کہا، پھر پہاڑوں کو مخاطب کیا لیکن سب نے تقدس کے پیش نظر تحمل کرنے اور اس کا بوجھ برداشت کرنے سے اپنی کم مائیگی اور عاجزی کا اظہار کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **اِنَّا عَرَضنَا الاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَالجِبَالِ فَاَبَینَ اَن یَّحمِلنَہَا وَ اَشفَقنَ مِنہَا۔** (سورۂ احزاب 72) یقیناً ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا لیکن سب نے اس کا تحمل کرنے سے انکار کر دیا اور وہ سب اس سے پیچھے ہٹ گئے۔

قرآن کا محافظ خود رب ذوالجلال ہے

رب ذوالجلال کی دیگر آسمانی کتابوں اور صحیفوں کے مقابلہ میں قرآن مقدس کو یہ اعجاز بھی حاصل ہے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود ذات واجب الوجود نے لی ہے، فرمان باری تعالی ہے: **اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُونَ** (سورۂ حجر 9) ہم نے ہی قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

پچھلی امتوں پر نازل کردہ کتابوں اور صحیفوں کی حفاظت کی ذمہ داری خود ان ہی پر ڈالی گئی تھی، لیکن وہ اپنے فرائض منصبی کو ادا نہ کر سکے جس کی بناء پر ذاتی مفادات کے پیش نظر تغیرات زمانہ کے ساتھ ان کتابوں میں تحریف وتبدیلی ہوتی گئی، قرآن کریم نے کبھی بھی کسی

تغیر وتبدیلی کو قبول نہیں کیا اور نہ ہی کر سکتا ہے کیونکہ اس کا محافظ خود رب ذوالجلال ہے۔

قرآن بذات خود ایک معجزہ ہے

قرآن مقدس بذات خود ایک معجزہ ہے، اس کی فصاحت و بلاغت، زبان و بیان، حقائق ومعارف، جامعیت اور حقانیت اظہر من الشّمس ہے، یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے تمام عالم کے لئے کہیں: قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ (سورۂ بنی اسرائیل 88) کہیں فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ (سورۂ ہود 13) اور کہیں فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (سورۂ بقرہ 23) کی شکل میں ایسا چیلنج ہے جس کی مثال پیش کرنے سے ساری کائنات عاجز ہے، اس کی نظیر نہ کوئی لا سکا اور نہ ہی لا سکتا ہے، جس طرح خدا کی بنائی ہوئی زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے وغیرہ بنانے سے دنیا عاجز و قاصر ہے اسی طرح خدا کے قرآن جیسا کلام بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی۔ اور کلام الٰہی کی یہ معجز نمائی تا ابد اسی شان کے ساتھ باقی رہے گی۔

قرآن ناقابل ترمیم ہے

یہ بات ساری دنیا پر آشکارا ہے کہ قرآن کریم سچی آسمانی کتاب ہے اس میں تا قیامت کسی تبدیلی اور تغیر کا نہ تو امکان ہے اور نہ ہی کسی کو اختیار ہے، وہ اپنی حرکات وسکنات، زیر وزبر، نقطے اور اعراب بلکہ طرز ادا، رسم الخط اور لہجے کے ساتھ جوں کا توں محفوظ ہے، یہ ذات برحق کا وہ دائمی کلام ہے جس میں دخل دینے کا کسی انسان کو اختیار نہیں ہے، امتی تو کجا خود صاحب قرآن کو بھی اپنی طرف سے اس میں اضافہ یا کمی کا اختیار نہیں، قرآن واضح انداز میں اعلان

کرتا ہے: وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ، لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ، ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ، فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ، وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ (سورۂ حاقہ) اور اگر وہ (رسول) بنالاتا ہم پر جھوٹی باتیں تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر اس کی گردن کاٹ ڈالتے اور تم میں سے کوئی اس (سزا) سے بچانے والا نہ ہوتا، یقینا قرآن کریم متقیوں کے لیے نصیحت ہے۔

دور نبوت میں کفار نے تبدیلئ قرآن کا مطالبہ کیا تھا، قرآن کریم نے اس کی منظر کشی اس طرح کی ہے: وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا الخ (سورۂ یونس 15) اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل واضح اور صاف ہیں تو یہ لوگ جنہیں ہمارے پاس آنے کی توقع نہیں آپ سے یہ کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ دوسرا قرآن لائیے، یا اس میں کچھ ترمیم کردیجئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے ترمیم کروں۔

ان واضح آیات اور قرآنی اعلانات کے بعد قرآن مقدس میں ادنی سی بھی تبدیلی کا تصور نہیں کیا جاسکتا، قرآن کریم کے متعلق یہ بے لاگ نظریہ اور دوٹوک موقف اس کی حقانیت کی بین اور کھلی ہوئی دلیل ہے۔

قرآن اور اس کی جامعیت

قرآن اللہ کی ایسی جامع کتاب ہے جس میں تہذیب اخلاق، طریق تمدن ومعاشرت، اصول حکمت وسیاست، ترقی روحانیت، تحصیل معرفت ربانی، تزکیۂ نفوس، تنویر قلوب، تنظیم ورفاہیت خلائق، وصول الی اللہ غرض یہ کہ وہ تمام قواعد وضوابط اور سنہری اصول نظر آئیں گے جن سے آفرینش عالم کی غرض کی تکمیل ہوئی ہے، اس کتاب کا جامع، مؤثر اور دل ربا طرز بیان،

اسالیب کلام کا تفنن، اس کی لذت وحلاوت اور شہنشاہانہ شان وشوکت وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جنہوں نے سارے عالم کو مقابلہ کا چیلنج دیا ہے۔

نوع انسانی سے مطالبہ قرآنی

انّ ھٰذا القرآنَ یَھْدِیْ لِلّتِیْ ھِیَ أقْوَم (سورۂ بنی اسرائیل ۹) کے مطابق انسانوں کی ہدایت ورہنمائی اور وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاھُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْن (سورۂ بنی اسرئیل ۸۲) کے مطابق نوع انسانی کی جلی وخفی، ظاہری و باطنی بیماریوں کے لیے شفا اور رحمت ہونے کے ساتھ یہ کلام مقدس ایک دستور حیات اور مشعل زندگی ہے۔قرآن ایک زندۂ وجاوید اور عالمگیر کتاب ہے، ایک بولتا ہوا مرقع اور آئینہ ہے جس میں افراد اپنے چہرے اور قومیں اپنی صورتیں دیکھ سکتی ہیں، اس میں قوموں اور سلطنتوں کے عروج وزوال کا انجام دیکھ کر عبرتیں اور نصیحتیں بھی حاصل کی جاسکتی ہیں، اس میں ہر عہد، ہر نسل اور ہر طرح کے حالات کے لئے رہنمائی موجود ہے یہ ایسا لازوال، دائمی، تازہ اور تابندہ معجزہ ہے جو رہنمائی کی بھرپور صلاحیتوں سے معمور ہے،قرآن ایسا خزانۂ عامرہ اور بحر عمیق ہے جو آبدار اور بیش بہا موتیوں کا مخزن ہے۔

اس لئے یہ انسانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ مجھے سینے سے لگاؤ، مجھے اپناؤ اور میرے ضابطوں کے مطابق زندگی گذارو،تم ہمیشہ سرخ رو اور کامران رہوگے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: ھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْہُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْن (سورۂ انعام ۱۵۵) یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کو ہم نے نہایت برکت والی بناکر اتارا ہے،لہٰذا تم اس کی اتباع کرو،اور ڈرتے رہو،تاکہ تم پر رحمت نازل ہو۔

جو شخص قرآن کے پیغام کو سمجھ کر اس سے منسوب ہوجاتا ہے اور قرآن سے اپنا رشتہ

مضبوط کر لیتا ہے، دارین کی کامیابی اور سرخ روئی اس کا مقدر بن جاتا ہے اور جو اس سے لاتعلقی برتتا ہے، اس سے اپنا جوڑ و تعلق باقی نہیں رکھتا وہ دونوں جہاں میں ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ (مسلم 1 / 272) اللہ تعالی اس کتاب کے ذریعے کچھ لوگوں کو عزت و شرافت کا بلند مقام عطا کرتا ہے جبکہ کچھ لوگوں کو اس کے ذریعے ذلت و رسوائی کے گہرے گڑھے میں گرادیتا ہے۔

ایمان والوں کی صفات

قرآن و حدیث میں مؤمنین کی بہت سی صفات بیان کی گئی ہیں اور ان صفات کو اپنانے کی ترغیب دیتے ہوئے دارین میں کامیابی کی خوشخبری سنائی گئی ہے، قرآن کریم میں سورۂ مؤمنون کے شروع میں اللہ رب العالمین نے مؤمنین کاملین کی سات صفات بیان کی ہیں اور ان صفات کے حاملین کو دنیا اور آخرت میں کامیابی کی ضمانت دیتے ہوئے جنت الفردوس کا وارث قرار دیا ہے۔ وہ سات صفات اتنی جامع ہیں کہ تمام حقوق اللہ، حقوق العباد اور ان سے متعلقہ احکام ان صفات کے اندر آجاتے ہیں جو آدمی ان صفات سے متصف ہو جائے وہ مؤمن کامل ہے، دنیا و آخرت کی کامیابی کا مستحق ہے اور جنت الفردوس کا وارث ہے۔

مسند احمد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو پاس والوں کے کان میں ایسی آواز آتی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے، ایک دن آپ کے پاس ایسی ہی آواز سنی گئی، ہم ٹھہر گئے تا کہ تازہ آئی ہوئی وحی سن لیں، جب وحی کی خاص کیفیت سے فراغت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبلہ رخ ہو کر بیٹھ گئے اور یہ دعا کرنے لگے: اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا، وَأَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا، وَأَعْطِنَا وَلَا

تَحْرِمْنَا، وَآثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا، وَأَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا۔ (اے اللہ ہمیں زیادہ دے، کم نہ کر، اور ہماری عزت بڑھا، رسوا نہ کر، اور ہم پر بخشش فرما، محروم نہ کر، اور ہمیں دوسروں پر ترجیح دے، ہم پر دوسروں کو ترجیح نہ دے، اور ہم سے راضی ہو جا اور ہمیں بھی اپنی رضا سے راضی کر دے) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت مجھ پر ایسی دس آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ جو شخص ان پر پورا پورا عمل کرے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا، پھر سورۂ مؤمنون کی ابتدائی دس آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ (ابن کثیر)

امام نسائی نے کتاب التفسیر میں یزید بن بابنوس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق کیسا اور کیا تھا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا خلق یعنی طبعی عادت وہ تھی جو قرآن میں ہے، اس کے بعد سورۂ مؤمنون کی ابتدائی دس آیتیں تلاوت کر کے فرمایا کہ بس یہی خلق و عادت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ (ابن کثیر)

زیر نظر کتابچہ میں انہی دس آیات کی تفسیر و توضیح کی گئی ہے، جن میں مؤمنین کاملین کی سات صفات بیان کی گئی ہیں، دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان صفات کو اپنانے اور مؤمن کامل بننے کی توفیق عطا فرمائے، دنیا و آخرت میں کامیابی اور جنت الفردوس میں ہمارا حصہ مقدر فرمائے، اس کتابچہ کو امت کی رہنمائی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

محمد قاسم اوجھاری

۸/ جمادی الاول ۱۴۴۱ھ

۴/ جنوری ۲۰۲۰ء

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَى وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝ أُوْلَئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (سورۃ المؤمنون)

یقیناوہ ایمان والے کامیاب ہوگئے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں، اور جولغو (فضول باتوں اور کاموں) سے اعراض کرنے والے ہیں، اور جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں، اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں یا باندیوں کے تو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے، جو شخص اس کے علاوہ راستہ تلاش کرے گا تو یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں، اور جو اپنی امانتوں اور عہدوں کو پورا کرنے والے ہیں، اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، یہی لوگ جنت الفردوس کے وارث ہیں، جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

مذکورہ آیات میں کامیاب مؤمنین کی سات صفات بیان کی گئی ہیں اور ان سات صفات کے حاملین مؤمنین کے بارے میں اللہ رب العزت نے کہا ہے کہ یہ لوگ کامیاب ہیں یعنی دنیا میں بھی کامیاب ہیں اور آخرت میں بھی کامیاب ہیں، دنیاوی کامیابی یہی ہے کہ یہ لوگ تمام قسم کی پریشانیوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہیں گے اور دنیا ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھے گی۔ چنانچہ تجربہ اور مشاہدہ گواہ ہے کہ مؤمنین کاملین دنیا میں عیش و آرام اور سکون کی زندگی گزارتے ہیں، دنیا میں اگر ان پر کوئی وقتی تکلیف یا مصیبت آ بھی جاتی ہے تو بہت جلد اس کا ازالہ ہوجاتا ہے، اور انجام کار ان کی تکلیف اور پریشانی بالکل ختم ہوجاتی ہے۔ ساری دنیا ان کی عزت واحترام کرتی ہے اور ان کا نیک نام دنیا میں ہمیشہ باقی رہتا ہے، اور اخروی کامیابی یہ ہے

کہ اللہ رب العزت ان کو جنت الفردوس میں داخل فرمائیں گے، اور وہ جنت میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، وہ سات صفات مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی صفت

الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْن: مؤمنین کاملین کی پہلی صفت یہ بیان کی جارہی ہے کہ وہ لوگ نماز میں خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں، خشوع کے لغوی معنی سکون کے ہیں اور اصطلاح شرع میں خشوع فی الصلاۃ یہ ہے کہ قلب میں بھی سکون ہو یعنی غیر اللہ کے خیال کو بالقصد دل میں حاضر نہ کیا جائے اور اعضاء بدن میں بھی سکون ہو یعنی عبث اور فضول حرکتوں سے پرہیز کیا جائے، خصوصاً وہ حرکتیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوران نماز منع فرمایا ہے، اور فقہاء نے ان کو مکروہات نماز کے عنوان سے شمار کرایا ہے۔ مثلاً نماز میں ادھر ادھر نظریں گھمانا، بدن یا کپڑے کے کسی حصہ سے کھیلنا، انگلی چٹخانا، ادھر ادھر کے خیالات لانا وغیرہ۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالی نماز کے وقت اپنے بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے جب وہ دوسری طرف التفات کرتا ہے تو اللہ تعالی اس سے روخ پھیر لیتے ہیں۔ (رواہ احمد ونسائی) ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت انس کو حکم دیا کہ اپنی نگاہ اس جگہ رکھو جس جگہ سجدہ کرتے ہو اور نماز میں دائیں بائیں التفات نہ کرو۔ (رواہ البیہقی فی السنن الکبری، مظہری)

خشوع وخضوع نماز کی روح ہے، خشوع کے بغیر نماز بے جان ہے، آج ہم اپنی نمازوں کا جائزہ لیں کہ ہماری نمازوں میں کس قدر خشوع پایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری

نمازیں خشوع وخضوع سے مکمل خالی نظر آتی ہیں۔ نیت باندھ کر دکانوں، مکانوں کے حساب اور دنیاوی خیالات شروع کر دیے جاتے ہیں، نماز مکمل ہو جاتی ہے اور یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ کتنی رکعتیں پڑھیں اور کونسی سورتیں پڑھیں، اور بعض حضرات کو تو یہ بھی یاد نہیں رہتا ہے کہ ہم نے نماز پڑھ لی ہے یا نہیں؟ اسی لیے امام غزالیؒ اور علامہ قرطبیؒ وغیرہ نے لکھا ہے کہ اگر پوری نماز خشوع کے بغیر گزر جائے تو نماز ہی نہ ہو گی، لیکن دیگر حضرات نے اس میں گنجائش نکالی ہے اور کہا ہے کہ فرض تو ادا ہو جائے گا۔ البتہ ثواب اور قبولیت سے محروم ہو گی۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ خشوع صحت نماز کے لئے موقوف علیہ تو نہیں اور اس درجے میں وہ فرض نہیں مگر قبول نماز کے لیے موقوف علیہ ہے اور اس مرتبہ میں فرض ہے۔ (بیان القرآن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ سب سے پہلی چیز جو اس امت سے اٹھ جائے گی وہ خشوع ہے، یہاں تک کہ قوم میں کوئی خاشع نظر نہیں آئے گا۔ (مجمع الزوائد) آج یہی صورت حال ہے، نمازوں سے خشوع وخضوع بالکلیہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔

نماز کا کامل اور اکمل طریقہ یہی ہے کہ پوری یکسوئی، خشوع وخضوع اور دل جمعی کے ساتھ پڑھی جائے، ادھر ادھر کے خیالات سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ البتہ فطری طور پر کبھی کبھار کچھ خیالات وغیرہ آ جائیں تو وہ عفو کے درجہ میں ہیں۔ ہر وقت یہی ذہن میں رہے کہ ہم بارگاہ رب العالمین میں کھڑے ہیں اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا: اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ' فَاِنْ لَمْ تَـکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ (بخاری 2 / 7.4)

تم اللہ کی عبادت اس طرح کیا کرو کہ گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، ورنہ تو یہ ضرور سمجھنا چاہیے کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے، مؤمنین کاملین کی پہلی صفت یہی بتائی جا رہی ہے کہ وہ لوگ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔

دوسری صفت

وَ الَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ: دوسری صفت یہ بیان کی جارہی ہے کہ وہ لوگ لغو باتوں اور فضول کاموں سے احتراز کرتے ہیں، لغو کے معنی ہیں فضول کلام یا ایسا کام جس میں کوئی دینی فائدہ نہ ہو، لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت اور گناہ ہے جس میں دینی فائدہ نہ ہونے کے ساتھ دینی ضرر اور نقصان بھی ہے، اس سے پرہیز واجب ہے، اور ادنی درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو اور نہ مضر، اس کا ترک کم از کم اولیٰ اور موجب مدح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيهِ۔ (رواہ ترمذی 2317) انسان کا اسلام جن چیزوں سے اچھا ہوسکتا ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ وہ لایعنی اور بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔

آج ہم دنیا کی ظاہری چمک دمک، نئی ایجادات اور لغویات میں مست ہوکر دین سے بے خبر ہوتے جارہے ہیں، موبائل کا بیجا استعمال، انٹرنیٹ کی فحش اور لایعنی ویب سائٹیں، ویڈیو گیمز، کھیل کود کے مظاہرے، فحش فلمی گانوں اور ڈراموں نے انسانی ذہنوں پر ایک عجیب کیفیت مسلط کر دی ہے، گویا کہ ہم مغربی سامراج کے چنگل میں پھنس کر ان لغویات اور گناہوں کے کاموں کے ایسے عادی اور دیوانے ہوتے جارہے ہیں کہ قوت احساس بھی بالکلیہ ختم ہوتی جارہی ہے، دن نکلتا ہے اور گھڑی کی سوئی گھومتے گھومتے شام ہوجاتی ہے اور یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ ہماری اس مختصر سی زندگی کے یہ قیمتی اوقات کہاں گزرنے چاہیے تھے اور کہاں گزر رہے ہیں؟ جب ہمارا یہ حال ہو چکا ہے تو سوچیے ہمارا انجام کیا ہوگا؟ ہماری نسل نو کیا سبق سیکھے گی؟ اور اس کا مستقبل کیسا ہوگا؟ بے شمار ایسے لوگ ہیں جن کو خواہشات نفس، لہو اور

لغویات نے اندھا کردیا ہے، ایسے دیوانے اور مست ہوتے جارہے ہیں کہ نہ اہل خانہ کی کچھ پرواہ ہے اور نہ خاندان کی، نہ بڑوں کا ادب ہے نہ چھوٹوں کی تربیت کی فکر، حتی کہ نہ مخلوق کی کچھ خبر ہے اور نہ خالق کائنات کی، انہوں نے تو لہو ولغویات اور خواہشات ہی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے، بس صبح سے شام تک انہی کاموں کی تکمیل میں مصروف رہتے ہیں۔

یاد رکھیں! دنیا کی ظاہری چمک دمک لہو اور لغویات صرف وقتی چیزیں ہیں ان کو ثبات اور قرار نہیں ہے، ایک نہ ایک دن یہ سب ختم ہوجائیں گی، یہ صرف ایک تماشہ ہیں۔لہٰذا اپنی عمر عزیز کو ان گناہ کے کاموں اور فضول چیزوں میں صرف نہ کریں، ہماری زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہونا چاہئے، ہر وقت دین اور اپنے ایمان کی فکر ہو، انابت الی اللہ اور دعوت الی اللہ کا جذبہ ہمارے دلوں میں موجزن ہو، تبھی ہم دنیا اور آخرت میں کامیابی سے ہم کنار ہوسکتے ہیں، کامیاب مؤمنین کی دوسری صفت یہ بیان کی جارہی ہے کہ یہ لوگ فضول باتوں اور فضول کاموں سے احتراز کرتے ہیں۔

تیسری صفت

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ: تیسری صفت یہ بیان کی جارہی ہے کہ وہ لوگ اپنے اعمال واخلاق میں اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔ زکوۃ کے لغوی معنی پاک کرنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں مخصوص مال میں مخصوص افراد کے لیے مال کی ایک متعین مقدار کے صرف کرنے کو زکوۃ کہتے ہیں۔(الاختیار لتعلیل المختار 1 / 199)

قرآن کریم میں یہ لفظ عام طور پر اسی اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے،لیکن زکاۃ کے

ایک معنی تزکیۂ نفس کے بھی ہیں، اور یہاں پر دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں زکوۃ بھی اور تزکیۂ نفس بھی۔ اگر زکوۃ مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ مؤمنین کاملین اپنے مخصوص مالوں کی زکوۃ ادا کرتے ہیں، زکوۃ اسلام کا ایک اہم بنیادی رکن ہے۔ زکوۃ کی فرضیت شریعت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے، اس کا انکار کرنے سے آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا، زکاۃ کی فرضیت ہجرت مدینہ سے پہلے ہوئی، اور بعض آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی فرضیت ہجرت کے بعد ہوئی۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ نفس فرضیت تو ہجرت سے پہلے ہوگئی تھی لیکن اس کی تفصیلی احکامات ہجرت کے بعد نازل ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اللہ رب العزت نے مالدار لوگوں کے مال میں غریب اور حاجت مندوں کے لئے مال کا ایک حصہ متعین کیا ہے۔ اللہ رب العزت کی طرف سے جاری کردہ اس حکم کی بجا آوری ہر صاحب نصاب مسلمان کے لیے ضروری ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی کے بے شمار فوائد، ثمرات اور برکات ہیں۔ مثلا:

زکوۃ کی ادائیگی کی وجہ سے اللہ تعالی مال کو بڑھاتے ہیں۔ (سورۂ بقرہ 267- بخاری 141)

زکوۃ کی وجہ سے اجر وثواب سات سو گنا بڑھ جاتا ہے۔ (سورۂ بقرہ 161- بیضاوی 261)

زکاۃ کی وجہ سے ملنے والا اجر کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے ہمیشہ باقی رہے گا۔ (الفاطر 29-30)

اللہ تعالی کی رحمت ایسے افراد (زکوۃ ادا کرنے والوں) کا مقدر بن جاتی ہے۔ (الاعراف 156)

قبر میں زکوۃ اپنے ادا کرنے والے کو عذاب سے بچاتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ 7/473 بیروت)

انسان کے مال کی پاکی کا ذریعہ زکات ہے۔ (مسند احمد 12394)

زکوۃ انسان کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔ (مجمع الزوائد 3/63 کتاب الزکاۃ)

زکوۃ سے مال کی حفاظت ہوتی ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی، کتاب الزکاۃ 3/282 بیروت)

زکوۃ سے مال کا شر ختم ہو جاتا ہے۔(السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الزکاۃ 7379)

اور سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ زکوۃ ادا کرنے والوں کے بارے میں اللہ رب العالمین نے کہا ہے کہ یہ لوگ دنیا میں بھی کامیاب ہیں اور آخرت میں بھی کامیاب ہیں۔(المؤمنون آیت 4)

فریضۂ زکاۃ کی ادائیگی پر جہاں بہت سے فوائد و برکات اور من جانب اللہ انعامات کے وعدے ہیں وہیں اس فریضہ کی ادائیگی میں غفلت برتنے والوں کے لئے قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں بھی وارد ہوئی ہیں، اور دنیا و آخرت میں ایسے لوگوں کے اوپر آنے والے وبال کا ذکر بھی کثرت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مثلاً: جو لوگ زکوۃ ادا نہیں کرتے ان کے مال کو جہنم کی آگ میں گرم کر کے اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔(سورۂ توبہ 34-35)

ایسے لوگوں کے مال کو طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔(آل عمرآن 18.)

زکوۃ ادا نہ کرنا جہنم والے اعمال کا ذریعہ بنتا ہے۔(سورۂ اللیل 5 تا 11)

ایسے شخص کا مال قیامت کے دن ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گا جس کے سر کے بال جھڑ چکے ہونگے اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں گے، پھر وہ سانپ اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا، پھر وہ اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا (اور کاٹے گا) اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ ہوں۔(بخاری شریف 2/110 کتاب الزکاۃ)

زکوۃ ادا نہ کرنے والا مرتے وقت زکوۃ ادا کرنے کی تمنا کرے گا لیکن اس کے لیے سوائے حسرت کے اور کچھ نہ ہوگا۔(سورۂ منافقون 10 - بخاری 2/110)

زکوۃ ادا نہ کرنے والے کے لئے آگ کی چٹانیں بچھائی جائیں گی، اور ان سے اس شخص کے پہلو، پیشانی اور سینہ کو داغا جائے گا۔(صحیح مسلم۔ کتاب الزکاۃ)

ا یسے لوگوں کو جہنم میں ضریع، زقوم، گرم پتھر، کانٹے دار اور بدبو دار درخت کھانے

پڑیں گے۔(دلائل النبوۃ للبیہقی،رقم 679)

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں سے قیامت کے دن حساب کتاب لینے میں بہت زیادہ سختی کی جائے گی۔(مجمع الزوائد-3/62)

جب لوگ زکوۃ روک لیتے ہیں تو اللہ تعالی اس کے بدلے میں بارشیں روک لیتے ہیں۔ (مستدرک حاکم 2577)

جب کوئی قوم زکوۃ روک لیتی ہے تو اللہ تعالی اس قوم کو قحط سالی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ (المعجم الاوسط للطبرانی رقم 4577)

اس طرح کی بہت سی وعیدات زکوۃ ادا نہ کرنے والوں کے بارے میں قرآن و حدیث میں وارد ہوئی ہیں۔آج اگر جائزہ لیا جائے تو بہت ہی کم ایسے لوگ نظر آئیں گے جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں،امت کا ایک بڑا طبقہ وہ ہے جو زکوٰۃ کے سلسلے میں غفلت کا شکار ہے۔ یاد رکھیں! مال و دولت اللہ رب العالمین کا عطا کیا ہوا ہے،اللہ جس طرح دینا جانتا ہے اسی طرح لینا بھی جانتا ہے۔لہٰذا فریضہ زکوۃ میں بالکل کوتاہی نہ برتی جائے، اللہ رب العالمین نے جن حضرات کو صاحب وسعت (صاحب نصاب) بنایا ہے وہ اپنے مالوں کی زکوۃ ضرور ادا کریں۔

جس شخص کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی ہو یا اتنا روپیہ پیسہ ہو جس سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جا سکے تو وہ صاحب نصاب ہے اور اس کے اوپر زکاۃ فرض ہے۔(شامی،بدائع الصنائع،ہندیہ)

آیت کریمہ میں دوسرے معنی (تزکیۂ نفس) مراد لئے جائیں تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مومنین کاملین اپنے نفس کو رذائل سے پاک رکھتے ہیں،شرک،ریا،تکبر،حسد،

بغض، حرص اور بخل وغیرہ سے نفس کو پاک کرنا تزکیہ کہلاتا ہے۔ یہ سب چیزیں حرام اور گناہ کبیرہ ہیں، نفس کو ان سے پاک کرنا بھی ضروری ہے۔ بہرحال اگر زکوۃ مراد لی جائے تو اس کی ادائیگی بھی صاحب استطاعت کے لئے ضروری ہے، اور اگر تزکیۂ نفس مراد لیا جائے تو نفس کو رذائل سے پاک کرنا بھی ضروری ہے، ہمیں اپنے اندر دونوں صفتیں پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

چوتھی صفت

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ الخ: چوتھی صفت یہ بیان کی جارہی ہے کہ وہ لوگ اپنی بیویوں اور شرعی باندیوں کے ساتھ خواہش پوری کرنے کے علاوہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، ان دونوں کے ساتھ شرعی ضابطے کے مطابق شہوت نفس پوری کرنے کے علاوہ کسی اور کے ساتھ ناجائز طریقہ پر شہوت رانی میں مبتلا نہیں ہوتے۔

اللہ تبارک وتعالی نے جہاں فطرت انسانی میں قوت بہیمیہ اور قوت شہوانیہ رکھی ہے وہیں اس ضرورت کی تکمیل کے لئے جائز طریقے اور حدود بھی بتائے ہیں، اور ناجائز طریقہ اختیار کرنے پر سخت سزاؤں کا اعلان بھی کیا ہے۔ آج دنیا ان جائز طریقوں کو چھوڑ کر ناجائز طریقوں سے شہوت نفس پورا کرنے کی عادی ہوتی جارہی ہے، دنیا میں زنا اور حرام کاری کی ایسی وبا چل رہی ہے جو رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا:

یا بغایا العرب یا بغایا العرب ان اخوف ما اخاف علیکم الزناء والشھوۃ الخفیۃ۔

(رواہ الطبرانی، الترغیب والترھیب رقم 3643)

اے عرب کے بدکارو! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ ڈر اور خطرہ زنا اور

پوشیدہ شہوت سے ہے۔

زنا کاری اور حرام کاری گناہ عظیم ہونے کے ساتھ ایسی خطرناک بیماری ہے جس سے پورا معاشرتی نظام تباہ و برباد ہوجاتا ہے، فتنہ وفساد اور خون خرابہ کی نوبت بھی آجاتی ہے، حتی کہ نسلیں تک مشتبہ ہوجاتی ہیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **لاتَزَالُ أُمَّتي بِخَيْرٍ مالمْ يَفْشَ فيهِمْ ولَدُ الزِّنا، فإذا فَشَا فيهِمْ ولَدُ الزِّنا، فأَوْشَكَ أنْ يَعُمَّهُمُ اللهُ بعذاب۔** (مسند احمد 333/6، الترغیب والترھیب رقم 3663)

میری امت اس وقت تک برابر خیر میں رہے گی جب تک کہ ان میں حرام اولاد کی کثرت نہ ہو اور جب ان میں حرام اولاد کی کثرت ہوجائے گی تو عنقریب اللہ تعالی ان کو عمومی عذاب میں مبتلا کردے گا۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: **اذا ظهر الزناء والرباء فی قرية فقد احلوا بانفسهم عذاب الله عز وجل۔**
(معجم کبیر للطبرانی 178/1۔ مستدرک حاکم 37/2)

جب بھی کسی قوم میں زنا کاری یا سودخوری کی کثرت ہوگی وہ اپنے آپ کو عذاب خداوندی کا مستحق بنالے گی۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ علیہ السلام نے اپنا طویل خواب حضرات صحابۂ کرام سے بیان فرمایا: کہ رات سوتے ہوئے خواب میں دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے ساتھ لے کر چلے پھر بہت سے ایسے لوگوں پر گزر ہوا جنہیں طرح طرح کے عذاب دیئے جارہے تھے۔ اسی میں آپ علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا: **فاتینا**

علی مثل التنور قال واحسب انه کان یقول فاذا فیه لغطٌ واصوات قال فاطلعنا فیه فاذا فیه رجال ونساءعراۃ فاذا ھم یاتیھم لھب من اسفل منھم فاذا اتاھم ذلک اللھب ضوضوا۔ ۔۔۔اما الرجال والنساء العراۃ الذین ھم فی مثل بناء التنور فانھم الزناۃوالزوانی الخ۔ (بخاری2/44)

پھر ہم تنور جیسی جگہ پر آئے راوی کہتے ہیں غالبا آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس تنور کے اندر سے چیخ وپکار کی آوازیں آرہی تھیں، آپ نے فرمایا کہ جب ہم نے اس میں جھانکا تو اس میں ننگے مرداورننگی عورتیں تھیں اوران کے نیچے سے آگ کی لپٹ آرہی تھی تو جب آگ کی لپٹ آتی تھی تو وہ شور مچاتے تھے، (پھرآپ نے ان لوگوں کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا) وہ ننگے مرداورننگی عورتیں جوتنور جیسی جگہ میں تھے وہ زنا کار مرداورعورتیں تھیں۔

شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ زنا کاروں کی یہ فضیحت آمیزاور ذلت ناک سزاان کے جرم کے عین مطابق ہے، اس لیے کہ زنا کارعموما لوگوں سے چھپ کر یہ جرم کرتے ہیں، اس کا تقاضہ ہوا کہ انہیں ننگا کر کے رسوا کیا جائے اورزنا کار جسم کے نچلے حصے سے گناہ کرتے ہیں جس کا تقاضہ ہوا کہ تنور میں ڈال کر نیچے سے آگ دہکائی جائے۔ (کرمانی، فتح الباری، بحوالہ حاشیہ بخاری2/1044)

ایک دوسری روایت میں حضرت ابو امامہ باہلی نے بھی آپ علیہ السلام کے طویل خواب کا ذکر فرمایا ہے جس میں مذکور ہے: **ثم انطلق بی فاذا انا بقوم اشد شیئ انتفاخا وانتنہ ریحا کان ریحھم المراحیض قلت من ھؤلاء، قال ھولاء الزانون۔** (الترغیب والترھیب رقم3648)

پھر مجھے لے جایا گیا تو میرا گزرایسے لوگوں پر ہوا جو(سڑنے کی وجہ سے) بہت پھول چکے تھے اوران سے انتہائی سخت بدبوآرہی تھی گویا کہ پاخانوں کی بدبوہو، میں نے پوچھا یہ کون

لوگ ہیں؟ جواب ملا کہ یہ زنا کار لوگ ہیں۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: **ان السموات السبع والارضین السبع لیلعن الشیخ الزانی وان فروج الزناۃ لیؤذی اھل النار نتن ریحھا۔ (الترغیب والترھیب رقم 3659)** ساتوں آسمان اور ساتوں زمین بوڑھے زناکار پر لعنت کرتے ہیں اور بدکار عورتوں کی شرمگاہوں کی بدبو سے خود جہنمی بھی اذیت میں ہوں گے۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **تفتح ابواب السماء نصف اللیل فینادی مناد ھل من داع فیستجاب لہ؟ ھل من سائل فیعطی؟ ھل من مکروب فیفرج عنہ؟ فلا یبقی مسلم یدعو بدعوۃ الا استجاب اللہ عز وجل الا زانیۃ تسعی بفرجھا او عشارا۔ (الترغیب والترھیب رقم 3644)** آدھی رات کے وقت آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور منادی آواز لگاتا ہے کہ کیا کوئی پکارنے والا ہے، جس کی دعا قبول کی جائے، کیا کوئی سائل ہے جسے نوازا جائے، کیا کوئی پریشان حال ہے جس کی پریشانی دور کی جائے، بس ہر دعا مانگنے والے مسلمان کی دعا اللہ تبارک وتعالی قبول فرمالیتے ہیں سوائے اپنی شرمگاہ کو بدکاری میں لگانے والی زانیہ اور ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والے کے۔ (کہ ان کی دعا ایسے مقبول وقت میں بھی قبول نہیں ہوتی)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زناکاری و بدکاری ایسی نحوست ہے جو دعاؤں کی قبولیت میں بھی بڑی رکاوٹ بنی رہتی ہے، اور مقبول اوقات میں بھی ایسے لوگوں کے لیے قبولیت کے دروازے نہیں کھولے جاتے۔

ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ماظھرت الفاحشۃ فی قوم قط یعمل بھا فیھم علانیۃ الا ظھر فیھم الطاعون والاوجاع اللتی لم تکن فی**

اسلافھم۔ (ابن ماجہ 29۔ الترغیب و الترھیب رقم 3685) جب بھی کسی قوم میں برسر عام بے حیائی اور بدکاری کی کثرت ہوگی تو ان میں طاعون اور ایسی بیماریاں پھیل جائیں گی جو ان سے پہلے لوگوں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔

آج اس حدیث کی صداقت بالکل عیاں ہے، دنیا میں جہاں جہاں بھی یہ بدکاری عروج پر ہے وہاں ایسے امراض جنم لے رہے ہیں جن کا کبھی پہلے نام بھی نہیں سنایا گیا، اور میڈیکل سائنس بھی ہزار ترقیوں کے باوجود ان مہلک امراض کا علاج دریافت کرنے میں ناکام نظر آرہا ہے۔

یادرکھیں! یہ امراض ختم ہونے والے نہیں ہیں، ان امراض کا خاتمہ تبھی ہوسکتا ہے جب معاشرہ سے بدکاریوں کا خاتمہ کردیا جائے، جب تک بے حیائیاں اور فواحش ومنکرات اور ناجائز جنسی تعلقات کا چلن رہے گا حدیث بالا کی پیشین گوئی کے مطابق معاشرہ میں جان لیوا اور ناقابل علاج امراض جنم لیتے ہی رہیں گے، لہٰذا معاشرہ سے تمام بدکاریوں کو اکھاڑ پھینکنے کی ضرورت ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ زنا قرض کی طرح ہے اور اس قرض کی ادائیگی بھی زنا کاروں کے گھر سے ہی ہوتی ہے، جو اس بدکاری میں مبتلا ہوگا اس کا گھر اور خاندان بھی اس سے محفوظ نہیں رہے گا۔

آپ نے فرمایا:

عفوا تعف نسائکم فی المحرم

تم پاکدامنی اختیار کرو تمہاری عورتیں پاکدامن رہیں گی

وتجنبوا مالا يليق بمسلم

اور ان امور سے بچو جو مسلمان کی شان کو زیبا نہیں

ان الزنا دين فان اقرضته

زنا قرض کی طرح ہے اگر تو اس کا مرتکب ہوا

كان الزنا من اهل بيتك فاعلم

تو بدلے میں وہ لوٹ کر تیرے گھر بھی آئے گا یہ جان لے

ياهاتكا حرم الرجال وقاطعا

اے لوگوں کی آبرو پر ہاتھ ڈالنے والے اور محبت

سبل المودة عشت غير مكرم

کی راہوں کو قطع کرنے والے تو زمانہ میں رسوا ہوگا

لو كنت حرا من سلالة ماجد

اگر تو شریف اور باعزت خاندان کا فرد ہوتا

ما كنت هتاكا لحرمة مسلم

تو کسی مسلمان کی آبروریزی نہ کرتا

من يزن يزن به ولو بجداره

جو زنا کرے گا اس کے یہاں ہوگا چاہے دیوار کی اوٹ میں ہو

ان كنت يا هذا لبيبا فافهم

اے آدمی اگر تو عقلمند ہے تو اس کو اچھی طرح سمجھ لے

(دیوان الامام الشافعی 214)

علماء نے لکھا ہے کہ جو عورت مرد پر شرعاً حرام ہے اس سے نکاح کرنا بھی زنا ہی کے حکم میں ہے۔ بیوی کے نکاح سے نکل جانے کے بعد اس کو اپنے پاس روکے رکھنا اور اس سے اپنی خواہش پوری کرنا بھی زنا ہی ہے، اپنی بیوی یا باندی سے حیض ونفاس کی حالت میں یا غیر فطری طور پر جماع کرنا بھی اسی میں داخل ہے، ہم جنس پرستی یا کسی جانور سے شہوت پوری کرنا اور استمناء بالید وغیرہ بھی زنا ہی میں داخل ہیں۔ (شامی، تفسیر قرطبی)

مذکورہ آیت کریمہ میں مؤمنین کاملین کی یہ صفت بیان کی جارہی ہے کہ یہ لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اور خواہشات نفس کو جائز طریقوں سے ہی پورا کرتے ہیں۔ **فانهم غير ملومين،** لہٰذا ان لوگوں پر کوئی ملامت نہیں ہے، آیت کریمہ کے اس ٹکڑے میں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس ضرورت کو ضرورت ہی کے درجے میں رکھنا ہے، مقصد زندگی نہیں بنانا ہے، اس کا درجہ اتنا ہی ہے کہ جو ایسا کرے وہ قابل ملامت نہیں۔ (معارف القرآن 6/297)

پانچویں صفت

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُون: پانچویں صفت یہ بیان کی جارہی ہے کہ یہ لوگ امانتوں اور عہدوں کو پورا کرنے والے ہیں۔ لفظ امانت کے لغوی معنی ہر اس چیز کو شامل ہے جس کی ذمہ داری کسی شخص نے اٹھائی ہو اور اس پر اعتماد اور بھروسہ کیا گیا ہو، امانت کی بے شمار قسمیں ہیں اس لیے مصدر ہونے کے باوجود اس کو جمع کے صیغے کے ساتھ لایا گیا ہے تاکہ امانت کی سب قسموں کو شامل ہو جائے خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے،

حقوق اللہ سے متعلق امانات تمام شرعی فرائض وواجبات کا ادا کرنا اور تمام محرمات اور مکروہات سے پرہیز کرنا ہے، اور حقوق العباد سے متعلق امانات میں مالی امانت کا داخل ہونا تو مشہور و معروف ہے کہ کسی شخص نے کسی کے پاس اپنا کوئی مال حفاظت کے طور پر رکھ دیا اس کے واپس کرنے تک اس کی حفاظت کرنا امانت ہے، اس کے علاوہ کسی نے کوئی راز کی بات کہی تو بغیر اذن شرعی کے اس کو ظاہر نہ کرنا بھی امانت ہے۔ مزدور اور ملازمین کو جو کام سپرد کیا گیا اور اس کے لئے جتنا وقت طے کیا گیا، اس پورے وقت کو اس کام میں لگانا بھی امانت ہے۔ غرض لفظ امانت اپنے اندر ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے، اس کے دائرے میں عبادات سے لے کر معاملات تک زندگی کے تمام شعبے داخل ہوجاتے ہیں۔

امانت کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود سے ایک لمبی روایت ہے جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے امانت کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ نماز بھی امانت ہے، وضو بھی امانت ہے، تولنا بھی امانت ہے، اور ناپنا بھی امانت ہے اور پھر کئی چیزیں گنائیں۔ اور ان میں سب سے زیادہ اہم چیز ودیعتیں ہیں۔ (یعنی دوسروں کی طرف سے رکھوائی گئی امانتیں) (شعب الایمان رقم 5266)

ارشاد ربانی ہے: **إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا**۔ یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ تم کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے اہل کی طرف لوٹا دو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ**۔ (الانفال 37)

اے ایمان والو! اللہ سے اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ ہی آپس میں جان بوجھ کر اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔

یہ آیت ایک صحابی حضرت ابولبابہ ابن المنذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی

تھی جنہوں نے غزوۂ بنوقریضہ کے موقع پر اپنے اہل وعیال کے تحفظ کی غرض سے پیغمبر علیہ السلام کا ایک راز ظاہر کر دیا تھا اور بعد میں انہیں اس پر سخت ندامت ہوئی تھی۔فوراً حکم الٰہی نازل ہوا اور تمام مومنین کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ تم امانتوں میں خیانت نہ کیا کرو (خواہ کسی بھی قسم کی امانتیں ہوں، ان کا تعلق قومی وملی معاملات سے ہو یا ذاتی اور انفرادی معاملات سے، ہر طرح کی خیانت ممنوع ہے۔)

جذبۂ امانت وہ عظیم نعمت ہے جس کی بدولت انسان کو حقیقی ایمان کی چاشنی نصیب ہوتی ہے، اور جس میں اس ذمہ داری کا احساس نہ ہو وہ کبھی بھی کامل ایمان سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا۔پیغمبر علیہ السلام نے تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ: **لا ایمان لمن لا امانة له** (مسند احمد رقم 12324، الترغیب 4546) کہ جس شخص میں امانت داری نہ ہو وہ گویا ایمان ہی سے محروم ہے۔

آج معاشرہ میں امانت داری کا فقدان نظر آ رہا ہے، لوگ زبانی طور پر امانت کا اظہار تو کرتے ہیں لیکن اندرونی معاملات خیانتوں سے بھرپور ہوتے ہیں۔ یہ ایک بہت سنگین صورتحال ہے، امت کا ایک بڑا طبقہ اس سے دوچار ہے، ہمیں امانت داری کی اہمیت اور خیانت کے نقصانات کو سمجھنا چاہیے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم معاملات میں خیانت کر کے اور ہاتھ کی صفائی دکھا کر پکڑ سے بچ جائیں گے؟

یاد رکھیں! یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے اور صرف وقتی خوش فہمی ہے، خائن دنیا میں بھی رسوا ہوتا ہے اور آخرت میں بچنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے۔صحیح احادیث میں صراحت ہے کہ جہنم کے اوپر پل صراط بنایا جائے گا، جب لوگ اس پر گزرنے شروع ہوں گے تو اس کے سرے پر امانت داری اور رشتہ داری کو مجسم شکل میں بٹھا دیا جائے گا، اور جس نے ان دونوں کی حق تلفی کی ہوگی انہیں پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

وترسل الامانة والرحم فتقومان جنبتي الصراط يمينا وشمالا۔ (مسلم شریف 1/112-رقم 195) اور امانت اور رشتہ قرابت کو چھوڑ دیا جائے گا، چنانچہ وہ پل صراط کے دائیں بائیں کنارے پر کھڑے ہو جائیں گے۔

اس کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: **المعنی ان الامانة والرحم لعظم شانهما وفخامة مايلزم العباد من رعاية حقهما يوقفان هناک للامين والخائن والواصل والقاطع فيحاجان عن الحق ويشهدان علی المبطل۔** (فتح الباری 14/553)

اور مطلب یہ ہے کہ امانت داری اور رشتہ داری کی عظمت شان اور بندوں پر لازم ان کے حقوق کی رعایت کی عظیم اہمیت کی بنا پر ان دونوں کو پل صراط پر امین اور خائن اور رشتہ داری کا خیال رکھنے والے اور قطع تعلق کرنے والے کے لئے کھڑا کیا جائے گا، پس یہ دونوں حق ادا کرنے والے کی طرف سے دفاع کریں گے اور باطل شخص کے خلاف گواہی دیں گے۔

لہٰذا اگر ہمیں اپنی نجات کا خیال ہے اور پل صراط پر بعافیت گزرنے کی فکر ہے تو امانت و دیانت کو لازم پکڑنا ضروری ہے، مومنین کاملین کی پانچویں صفت یہی بیان کی جارہی ہے کہ وہ لوگ امانتوں کا لحاظ رکھتے ہیں ان میں خیانت کے مرتکب نہیں ہوتے۔

چھٹی صفت

چھٹی صفت عہدوں کو پورا کرنا ہے، جو مذکورہ آیت کریمہ کا دوسرا جز ہے۔ عہد ایک تو وہ معاہدہ ہے جو دونوں طرف سے کسی معاملہ کے سلسلہ میں لازمی قرار دیا جائے، اس کا پورا کرنا فرض ہے اور اس کے خلاف کرنا غدر اور دھوکہ ہے جو کہ حرام ہے، اور دوسرا وہ ہے جس کو وعدہ

کہتے ہیں یعنی ایک طرفہ صورت سے کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی سے کسی چیز کے دینے یا کسی کام کے کرنے کا وعدہ کرلے اس کا پورا کرنا بھی شرعاً لازم اور واجب ہوجاتا ہے۔ حدیث میں ہے: **العدة دین،** (**المعجم الاوسط للطبرانی رقم 3513**) یعنی وعدہ ایک قسم کا قرض ہے جیسے قرض کی ادائیگی واجب ہے ایسے ہی وعدہ کا پورا کرنا بھی واجب ہے، بلا کسی شرعی عذر کے اس کے خلاف کرنا گناہ ہے۔ فرق دونوں قسموں میں یہ ہے کہ پہلی قسم کے پورا کرنے پر دوسرا آدمی اس کو بذریعۂ عدالت بھی مجبور کرسکتا ہے، اور یک طرفہ وعدہ کو پورا کرنے پر بذریعۂ عدالت مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ دیانۃ اس کا پورا کرنا واجب ہے اور بلا عذر شرعی اس کے خلاف کرنا گناہ ہے۔ (معارف القرآن 6/ 298 کراچی)

اسلام میں عہد کو پورا کرنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ ایفائے عہد کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور عہدوں کو پورا کرنے والوں کی تعریف اور عہد شکنی کرنے والے کی مذمت کی گئی ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے بھی اپنے بیشتر ارشادات میں ایفائے عہد کی اہمیت اور وعدہ خلافی کی برائی کو بیان فرمایا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا ہو اور یہ نہ فرمایا ہو: **لا ایمان لمن لا امانۃ لہ ولا دین لمن لا عہد لہ۔** (**السنن الکبری للبیہقی رقم 12815**) اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کو پورا کرنے والا نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن ابی الحمساء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نزول وحی اور اعلان نبوت سے پہلے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا، کچھ رقم میں نے ادا کردی اور کچھ باقی رہ گئی، میں نے وعدہ کیا کہ باقی رقم میں ابھی آکر ادا کردوں گا، اتفاق سے تین دن تک مجھے اپنا وعدہ یاد نہیں آیا۔ تیسرے دن جب میں اس جگہ پہونچا جہاں میں نے آنے کا وعدہ

کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی جگہ منتظر پایا، اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ میری وعدہ خلافی سے آپؐ کے چہرہ پر ذرہ برابر بھی بل نہیں آیا، بس صرف اتنا ہی فرمایا کہ تم کہاں تھے؟ میں اس مقام پر تین دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔(ابوداؤد 2 / 334)

بیشتر احادیث میں وعدوں کو پورا کرنے کی تاکید اور وعدہ خلافی کرنے کی مذمت کی گئی ہے، ہماری زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو وعدہ یا معاہدہ سے خالی ہو، لیکن افسوس یہ ہے کہ جس قدر کثرت کے ساتھ یہ ہماری زندگیوں کا حصہ ہے، اسی قدر ہم اس میں غفلت، لاپرواہی اور بے اعتنائی کے شکار ہیں۔ ہمارے ذہنوں میں عہد اور معاہدہ کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وعدہ کا تعلق صرف قرض وغیرہ کے لین دین سے ہے، حالانکہ زندگی کے تمام مراحل میں ہم عہد و پیمان سے گزرتے ہیں، عبادات سے لے کر معاملات تک ہمیں عہد اور معاہدہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لہٰذا عزم کریں کہ ہمارا کوئی بھی چھوٹا بڑا وعدہ یا معاہدہ پابندی اور پاسداری کے بغیر نہ ہوگا، یہ ہمارا فریضہ بھی ہے اور متعدد الجھنوں کا حل بھی ہے، مومنین کاملین کی چھٹی صفت یہ بیان کی جا رہی ہے کہ یہ لوگ اپنے عہدوں کو پورا کرتے ہیں (خواہ کسی عقد کے ضمن میں کیا ہو یا ابتداء کیا ہو) عہد شکنی نہیں کرتے۔

ساتویں صفت

وَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَوٰتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ: ساتویں صفت نمازوں پر محافظت ہے، نماز کی محافظت سے مراد نمازوں کی پابندی کرنا اور ہر نماز کو اس کے وقت مستحب میں ادا کرنا ہے، نماز اسلام کا ایک اہم ترین رکن ہے۔ قرآن وحدیث میں نماز کی اہمیت وفضیلت کو کثرت سے ذکر کیا گیا ہے اور نماز کو قائم کرنے پر بڑے بڑے وعدے اور چھوڑنے پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: نماز قائم کرو، یقینا نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ (العنکبوت 45) اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو، بیشک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرہ 153) میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز ادا کرتے رہو گے اور زکوۃ دیتے رہو گے۔ (المائدۃ 12)

پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن آدمی کے اعمال میں سب سے پہلے فرض نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر نماز درست ہوئی تو وہ کامیاب اور کامران ہوگا اور اگر نماز درست نہ ہوئی تو وہ ناکام اور خسارہ میں ہوگا۔ (ترمذی، ابن ماجہ، نسائی)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا کہ اللہ کو کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا۔ الخ (بخاری، مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی نے بندوں پر پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں جو ان نمازوں کو اس طرح لے کر آئے کہ ان میں لاپرواہی سے کسی قسم

کی کوتاہی نہ کرے تو اللہ تعالی اس کو ضرور جنت میں داخل فرمائیں گے، اور جو ان نمازوں کو اس طرح لے کر آئے کہ ان میں لاپرواہیاں اور کوتاہیاں کی ہوں تو اللہ تعالی کا اس سے کوئی عہد نہیں ہے چاہیں اس کو عذاب دیں چاہیں معاف فرمادیں۔ (مؤطاامام مالک، ابن ماجہ)

نمازوں کے سلسلہ میں پیغمبر علیہ السلام کا حال یہ تھا کہ آپ فرض نمازوں کے علاوہ دیگر نمازوں (تہجد، چاشت، اشراق، اوابین، تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو وغیرہ) کا بھی بہت اہتمام فرماتے تھے۔ خاص مواقع پر بھی اپنے رب کے حضور توبہ اور استغفار کے لیے نماز ہی کو ذریعہ بناتے تھے۔ سورج یا چاند گرہن ہوتا تو مسجد تشریف لے جاتے، زلزلہ، آندھی، طوفان حتی کہ تیز ہوا بھی چلتی تو مسجد تشریف لے جاکر نماز میں مشغول ہو جاتے۔ فاقہ کی نوبت آتی یا کوئی بھی پریشانی اور مصیبت آتی تو فورا نماز ادا فرماتے، سفر سے واپس ہوتے تو پہلے مسجد جاکر نماز ادا کرتے۔

لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم فرض نمازوں کے ساتھ ساتھ دیگر نمازوں کا بھی اہتمام کریں، اگر کوئی پریشانی یا مصیبت آجائے تو نمازوں کی ادائیگی اور صبر کے ذریعے اللہ تعالی سے مدد مانگیں۔ غرض نماز اسلام کا ایک اہم ترین بنیادی ستون ہے، مومنین کاملین کی ساتویں صفت یہ بیان کی جارہی ہے کہ یہ لوگ نمازوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

مذکورہ سات صفات کو شروع بھی نماز سے کیا گیا ہے اور ختم بھی نماز پر کیا گیا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ اگر نماز کو پابندی اور آداب نماز کے ساتھ ادا کیا جائے تو باقی صفتیں خود بخود پیدا ہوتی چلی جائیں گی۔ (معارف القرآن 6 / 299)

یہ سات صفات اتنی جامع ہیں کہ حقوق اللہ، حقوق العباد اور ان سے متعلقہ احکام ان صفات کے اندر آجاتے ہیں۔ جو آدمی ان مذکورہ صفات کے ساتھ متصف ہو جائے اور ان پر

جمارہے وہ مؤمن کامل ہے، دنیااور آخرت کی کامیابی کا مستحق ہے۔اللہ ربّ العالمین نے ایسے لوگوں کو جنت الفردوس میں داخل کرنے کا وعدہ کیا ہے، جو جنت کا اعلی حصہ ہے اور جہاں سے جنت کی نہریں جاری ہوئی ہیں۔

ارشاد ربانی ہے: **اُولٰئِکَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ، الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْن**۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہے، اور اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔لفظ وارث میں اشارہ ہے اس طرف کہ جس طرح مورث کا مال اس کے وارث کو پہونچنا قطعی اور لازمی ہے اسی طرح ان مذکورہ صفات سے متصف لوگوں کا جنت میں داخلہ بھی یقینی ہے۔(معارف القرآن 6 / 299)

اللہ رب العالمین ہمیں مؤمن کامل بننے اور ان سات صفات اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، اور الہ العالمین ہمیں دنیا اور آخرت میں کامیابی اور سرخ روئی عطا فرمائے۔آمین

وما توفیق الا باللہ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِکَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔